# آخرت میں مسیحیوں کا انجام

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ

ترجمہ: طارق محمود ہاشمی

قرآن مجید میں سورہ مائدہ میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ حضرت مسیح بن مریم علیہا السلام سے پوچھے گا کہ کیا تم نے لوگوں کو یہ تعلیم دی تھی کہ تم اور تمہاری والدہ مریم علیہا السلام دراصل الٰہ ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ نہیں میں نے تو وہی تعلیم دی تھی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا۔ اب اگر آپ چاہیں تو ان لوگوں کو عذاب دیں، اور چاہیں تو معاف کر دیں۔ اس پر اللہ تعالی فرمائے گا کہ آج کے دن صادقین کو ان کے سچ کا نفع ہو گا۔ اس سے بعض متجددین نے مسیحی مشرکین کی معافی و نجات پر استدلال کیا ہے۔ اور بد قسمتی سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر کو ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے۔ متعلقہ آیات کی تفسیر میں حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ لکھا ہے، اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے، تاکہ قارئین اس کا فیصلہ خود ہی کر لیں۔ تفسیر کبیر کے مندرجہ ذیل اقتباس سے جس کمزور استدلال پر بعض متجددین اصرار کر رہے ہیں، اس کا جواب بھی انشاءاللہ جلد ہی قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں متجددین کے غلط افکار سے محفوظ رکھے آمین۔ (اصل متن کے لیے دیکھیے: امام فخر الدین رازی، مفاتیح الغیب، دار لفکر، جلد ۱۲، صفحہ ۱۴۴ تا ۱۴۶)۔ ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

*

**قال** الامام فخر الدین الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

اس کی تفسیر میں متعدد مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ

آیت کے معنیٰ واضح ہیں۔ البتہ اس پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے: حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام یہ کیسے کہہ سکتے ہیں: وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ (اگر تو ان کو معاف کرے)، جبکہ اللہ تعالی شرک کو معاف نہیں کریں گے؟

اس کا جواب کئی پہلوؤں سے دیا جا سکتا ہے:

اول: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا: أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ (المائدۃ:۱۱۶)، تو معلوم ہوا کہ نصاریٰ کے ایک گروہ نے یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب منسوب کی تھی۔ البتہ جن لوگوں نے یہ کفریہ

قول حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب کیا وہ کافر نہیں ہوئے، بلکہ اس جھوٹی نقلِ روایت کی وجہ سے گناہگار ٹھہرے، اور گناہ کی بخشش تو ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کے لیے مغفرت کی دعا کی۔

دوم: ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ کفار کو جنت میں داخل کر دے، اور زہاد و عباد کو دوزخ میں۔ بادشاہی اُسی کی ہے، اور اس میں کسی کو مداخلت کا اختیار نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصود یہ ہے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ ہی کو تفویض کیے جائیں۔ اور اس میں کوئی کلام نہ کیا جائے۔ اسی لیے انہوں نے اپنی بات اس پر ختم کی کہ "بے شک اے اللہ تو عزیز و حکیم ہے"۔ یعنی، "تُو ہر اس کام کو کرنے پر قادر ہے جو تُو چاہے۔ اور اپنے ہر کام میں حکیم بھی ہے، کسی کو بولنے کی جسارت نہیں۔ کہاں میں اور کہاں اللہ کی ربوبیت میں مداخلت!"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ شرک کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ اس میں کچھ تفصیل ہے۔ ہمارے نزدیک مسئلہ یوں ہے کہ اللہ کے اختیار میں ہے کہ وہ شرک کو معاف کر دے۔ معتزلہ میں سے یہی موقف جمہور بصریوں کا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ گناہگار کو سزا دینا اللہ کا حق ہے۔ اور اس حق کو چھوڑ دینا گناہگار کو نفع تو دیتا ہے مگر اس میں اللہ کے لیے کوئی مضرت نہیں ہو سکتی۔ لہذا معاف کرنا (فی نفسہ) احسن عمل ہے۔ البتہ ہماری شریعت میں ایک سمعی دلیل نے یہ خبر دے دی ہے، کہ ایسا ہو گا نہیں (یعنی اللہ مشرکوں کو معاف نہیں کرے گا)۔ ممکن ہے کہ یہ سمعی دلیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں موجود نہ ہو۔

سوم: ان لوگوں (نصاریٰ) نے یہ کفریہ بات (یعنی حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام اور ان کی والدہ کو الٰہ قرار دینا) تو کر دی تھی، مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خیال ہوا کہ شاید ان میں سے کچھ اپنے اس کفر سے تائب ہو گئے ہوں۔ اس لیے آپ علیہ السلام نے فرمایا:

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ: (اے اللہ) تو جانتا ہے کہ یہ لوگ کفر پر مرے، لہذا تجھے حق ہے کہ انہیں عذاب دے کیونکہ وہ تیرے ہی بندے ہیں۔ اور تیرا یہ فیصلہ ہے کہ تیرے جو بندے کفر کریں گے وہ سزا پائیں گے۔ اور (دوسری طرف) وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ: تو یہ تیرے علم میں ہے کہ ان لوگوں نے کفر سے توبہ کر لی تھی۔ اور اے اللہ! تیرا یہ فیصلہ ہے کہ جو کافر توبہ کریں گے انہیں معاف کر دیا جائے گا۔

چہارم: ہم نے اوپر ذکر کیا کہ کچھ حضرات کے مطابق اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ (المائدۃ:۱۱۶) روز قیامت نہیں، بلکہ ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کے وقت کیا گیا۔ اس قول کی رو سے تو جواب بہت آسان ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ کے قول إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبادُكَ سے مراد ہے کہ اگر آپ انہیں اس کفر کے حال میں موت دیں، اور عذاب سے دوچار کریں، تو وہ تیرے بندے ہی تو ہیں۔ تجھے اس کا پورا حق ہے۔ اور اگر تُو ان کو توفیق دے کہ وہ ظلمت کفر سے نور ایمان میں آ جائیں، اور پھر انہیں ان کے ماضی کے (گناہ اور کفر) معاف کر دے، تو یہ بھی تیرا حق ہے۔ لہذا اگر یہ واقعہ رفعِ مسیح علیہ السلام کے موقع پر ہوا تھا، تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

دوسرا مسئلہ

بعض اصحاب نے اس آیت سے حضور ﷺ کی فساق کے حق میں شفاعت پر استدلال کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبادُكَ اہل ثواب کے لئے نہیں ہے کیونکہ اہل ثواب کو عذاب دینا مناسب نہیں، اور اسی طرح یہ (آیت) کفار کے لئے بھی نہیں ہو سکتی، کیونکہ ان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کا قول وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ کہ آپ چاہیں تو انہیں

معاف کر دیں، کفار کے لئے مناسب نہیں ہے۔ اس دلیل سے معلوم ہوا کہ یہ بات صرف اہل ایمان میں سے فساق کے حق ہی میں کہی جا سکتی ہے۔ اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فساق کے حق میں شفاعت ثابت ہو گئی، تو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں تو یہ بطریق اولیٰ ثابت ہے، کیونکہ فصل کا کوئی قائل نہیں۔

تیسرا مسئلہ

امام واحدی رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے کہ مصحف عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں (آیت یوں) ہے: وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔ میں نے اپنے استاذ اور والد رحمہ اللہ علیہ کو یہ کہتے سنا: یہاں الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ پڑھنا الْغَفُورِ الرَّحِيمِ سے بہتر ہے، کیونکہ غفور و رحیم ہونا ایک ایسی حالت سے مشابہ ہے، جس میں مغفرت و رحمت ان تمام لوگوں کے لئے واجب ہو جاتی ہے جنہیں اس کی احتیاج ہے۔ جبکہ قدرت و حکمت فقط مغفرت کو واجب نہیں کرتے۔ کیونکہ العزیز ہونا تقاضہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے، کرے اور جس بات کا حکم دینا چاہے، دے، اور کوئی اس پر اعتراض کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ چنانچہ جب العزیز تمام پابندیوں سے بلند ہو گیا تو اس نے مغفرت کا حکم دیا (بغیر اس کے کہ اس پر کوئی شے واجب ہوتی)۔ چنانچہ اس صورت میں اللہ کا کرم غفور و رحیم ہونے سے کامل تر ہے جہاں غفور و رحیم ہونا مغفرت و رحمت کا موجب ہوتا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے: وہ (اللہ تعالیٰ) ہر شے سے برتر ہو گیا، پھر اس نے رحمت کرنے کا حکم دیا، سو یہ کامل ترین بات ہے۔ ایک دوسرے گروہ کا قول ہے: اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ہوتا: فَإِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ تو اس سے یہ اشارہ نکلتا کہ آپ علیہ السلام مسیحیوں کی شفاعت فرما رہے ہیں۔ سو جب انہوں نے کہا: فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ تو یہ دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے معاملہ مکمل طور پر اللہ کے سپرد کر دیا، اور ہر طور کے تعرض کو ترک کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ۔

اس آیت کی تفسیر میں چند مسائل ہیں۔

اول: اس بات پر (تمام علماء کا) اجماع ہے کہ اس دن سے مراد یوم قیامت ہے اور اس کا معنی ہے کہ دنیا کا صدق (یعنی دنیا میں بولا گیا سچ)، لوگوں کو قیامت میں نفع پہنچائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قیامت کے دن (بولا گیا) کفار کا سچ ان کو نفع نہیں دے گا۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ قیامت کے دن تو ابلیس بھی سچ بولے گا قَالَ: إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ (إِبْرَاهِيمَ: ۲۲)، لیکن اس کی یہ سچائی اسے وہاں نفع نہ دے گی۔ چنانچہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ کے اس قول کی تصدیق ہے، کہ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ (المائدۃ: ۱۱۷)، یعنی اے اللہ میں نے انہیں اسی بات کا حکم دیا تھا جس کا حکم تُو نے مجھے دیا تھا۔

دوم: جمہور قراء نے لفظ یوم کو مرفوع پڑھا ہے، جب کہ نافعؒ نے اسے نصب کے ساتھ پڑھا ہے، اور اسی کو ابو عبیدہؒ نے اختیار کیا ہے۔ جنہوں نے اسے مرفوع پڑھا ہے، ان کے بارے میں زجاجؒ کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں مقدر یہ ہے کہ "هذا اليوم منفعة الصادقين"، یعنی یہ دن صادقین کی منفعت کا موقع ہے۔ اور جنہوں نے اسے منصوب پڑھا، اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ اول: کہ لفظ یوم دراصل فعل قال کا ظرف ہے، اور پھر اس کا مطلب ہو گا: قال الله هذا القول لعيسىٰ يوم ينفع، یعنی یہ بات اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس دن کہی جس دن صادقین کی سچائی انہیں نفع دے گی۔ دوم: یوں بھی ہو سکتا ہے کہ هذا الصدق واقع يوم ينفع

الصادقین صدقھم۔ یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ آپ ظروفِ زمان کو وقوع کی خبر دینے کے لیے بولیں، جیسے القتال یوم السبت، والحج یوم عرفۃ، یعنی یہ واقعات اس دن رُونما ہوتے ہیں۔ سوم: فراء کی رائے ہے کہ جب لفظ یوم کی اضافت ایسی شے کی طرف ہو جو اسم نہ ہو، تو وہ مبنی بر فتح ہوتا ہے، جیسے یومئذ۔ بصریوں کے نزدیک یہ غلط ہے کیونکہ ظرف اس وقت مبنی ہوتا ہے جب وہ کسی مبنی کی طرف مضاف ہو۔ جیسے نابغہ کا مصرعہ ہے:

علی حین عاتبت المشیب علی الصبا

اس میں لفظ حین مبنی ہے کیونکہ وہ مبنی کی طرف مضاف ہے، یعنی فعل ماضی کی طرف۔ اسی طرح جملہ "یوم لا تملک"، جس میں یوم مبنی ہے کیونکہ وہ لفظ لا کی جانب مضاف ہے، اور لفظ لا مبنی ہے۔ جہاں تک زیر غور آیتِ پاک کا تعلق ہے، تو یہاں لفظ یوم معرب کی جانب مضاف ہے، یعنی ینفع، فعل مستقبل، جو معرب ہوتا ہے۔ لہذا لفظ یوم کی اضافت الی المعرب ہونے کے سبب، لفظ یوم کا مبنی ہونا لازم نہیں آتا۔

آیت: لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔

جان لو کہ جب اللہ نے خبر دی کہ صادقین نے جو سچ دُنیا میں بولا تھا، قیامت میں انہیں نفع دے گا، اس نفع کی کیفیت کی تفصیل یہ ہے کہ یہاں نفع سے مراد ثواب ہے۔ ثواب کی حقیقت یہ ہے کہ وہ خالص اور دائمی منفعت ہے جو تعظیم کے ساتھ وابستہ ہے۔ اللہ نے فرمایا: لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ۔ یہ اشارہ ہے اس منفعت کی طرف جو غم واندوہ سے یکسر عاری ہے۔ اور خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا، یہ اشارہ ہے دوام کی طرف۔ یہاں ایک باریک نکتہ ہے۔ جب بھی ثواب کا ذکر ہوتا ہے تو وہاں خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا بھی کہا جاتا ہے، لیکن جب مومنین میں سے فاسق لوگوں کی سزا کا ذکر ہوتا ہے تو وہاں فقط خلود کا ذکر ہوتا ہے، ابدیت کا نہیں۔ اور اللہ نے فرمایا: رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔ یہ اشارہ ان کے عزت وشرف کی جانب ہے، متکلمین کی رائے کا بظاہر یہ مطلب ہے۔ لیکن جہاں تک اُن اصحاب کا معاملہ ہے، جن کی ارواح جلالتِ الٰہیہ کے انوار سے معمور ہیں، ان کے ہاں اس آیت (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ) کے تحت ایسے نادر اسرار بیان کیے گئے ہیں کہ قلم ان جیسے اسرار لکھنے کی استعداد نہیں رکھتے۔ اللہ تعالی ہمیں بھی ان نعمتوں کا اہل بنائے۔ پھر اللہ کا ارشاد ہے: ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔ جمہور کے نزدیک ذَلِكَ کا اشارہ ان تمام نعمتوں کی جانب ہے جن کا ذکر ہوا یعنی جنت، خلود وتائید، اور رضائے الٰہی۔ لیکن میرے نزدیک الْفَوْزُ الْعَظِيمُ کی ترکیب رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ ارباب الباب کے نزدیک جنت اور جو کچھ اس میں ہے وہ (اللہ کی رضا کے مقابل کچھ نہیں، لہذا وہ) اللہ کی رضا سے وہی نسبت رکھتا ہے جو عدم کو وجود سے ہے۔ اور کیوں نہ ہو، جنت مرغوب الشہوہ ہے، جب کہ رِضوانِ باری تعالیٰ صفتِ حق جل شانہ ہے۔ اور ان میں کیا مناسبت ہو سکتی ہے؟ ایک ظاہری متکلم کی طبع ہو سکتا ہے کہ اس طرح کے کلام سے ابا کرے، لیکن لوگوں کے لیے وہی آسان ہوتا ہے جو ان کی خلق کے موافق ہوتا ہے۔

***